ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم

ایک رحمۃ للعلمینؐ کی ضرورت

چونکہ غلط تصوّراتِ حسن حق و باطل اور حسن و غیر حسن کے امتزاجات اور مرکبات پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہوسکتی، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں نوعِ انسانی کو کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کا صحیح اور سچّا نصب العین کیا ہے۔ فلسفۂ خودی کا جواب یہ ہے کہ خدا خود نوعِ انسانی کی رہنمائی کا اہتمام کرتا ہے اور اس اہتمام کی صُورت یہ ہوتی ہے کہ وہ انبیاء کا ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے جو کامل نبی یا رحمۃ للعلمین پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کامل نبی یا رحمۃ للعلمین پہلے انبیاءؑ کی طرح نوعِ انسانی کو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ان کا سچّا نصب العین خدا ہے بلکہ تعلیمِ نبوّت کو درجۂ کمال پر پہنچا کر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی نظری تعلیم اور اپنی عملی زندگی کے نمونہ سے خدا کے تصوّر کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کرنے کی وجہ سے ایک کامل نظریۂ حیات وجود میں لاتا ہے جو نوعِ انسانی کے ارتقاء کی تمام ضرورتوں کو پُورا کرنے اور اُن کو زندگی کے تمام شعبوں میں حسن و کمال کی انتہا تک پہنچانے کی صلاحیّت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ رحمۃ للعلمین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن پر قرآنِ حکیم نازل ہوا ہے اور جن کا عطا کیا ہوا کامل نظریۂ حیات اسلام کہلاتا ہے۔

تخلیقِ عالم کے تین مرحلے

اقبالؔ ہمیں بتاتا ہے کہ جب بھی خدا کوئی ہنگامۂ عالم برپا کرتا ہے یا جہانِ رنگ و بُو پیدا کرتا ہے تو خدا کی ازلی اور ابدی صفات کے تقاضوں کی وجہ سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس

© rasailojaraid.com

کی خاک سے خدا کی آرزو یا محبّت کا جذبہ نمودار ہو۔ یعنی اس کا مدّعا انسان کی طرح کی ایسی مخلوق کی تخلیق اور تکمیل ہوتا ہے جو ہمہ تن خدا کی آرزو یا محبت ہو۔ لہٰذا اس ہنگامہ عالم یا جہانِ رنگ و بو کے لیے آخر کار ایک رحمۃ للعلمین یا کامل نبی کا وجود ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی تعلیم اور اپنی عملی زندگی کے نمونہ کے اثر سے خدا کی محبّت کی تربیت کر کے اس کو درجۂ کمال پر پہنچا پائے۔ چونکہ ضروری ہوتا ہے کہ یہ مخلوق آخر کار ایک ایسی خودی یا شخصیّت کی صُورت اختیار کرے جو ایک مکمّل مادہ سے تعمیر پائے ہوئے مکمل جسمِ حیوانی میں جاگزیں ہو اور جس کا حُسن اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ لہٰذا اس مخلوق کی تکمیل تین مرحلوں میں انجام پاتی ہے۔ سب سے پہلے تو اس کی تکمیل کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس مادّہ یا مٹی کو جس سے اس کا جسم تیار ہونا ہے مکمّل کر لیا جائے۔ لہٰذا اس جہانِ رنگ و بو کی تخلیق کے پہلے مرحلہ یا پہلے دَورِ ارتقار کا مقصد مادّہ اور اس کے قوانین کی تکمیل ہوتا ہے۔ اس دور کی تخلیقی کارروائی کو قرآن حکیم نے "تقدیر" یعنی اندازوں کے تقرر کا نام دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہ اور اس کے قوانین کی تکمیل کے ہر مرحلہ پر ریاضیاتی اندازوں اور حسابوں کا تعیّن عمل میں لایا جاتا ہے۔ مادّہ کی تکمیل کے بعد اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو جسم حیوانی اس مادہ سے تیار ہونا ہے اسے مکمل کیا جائے۔ اور اسے بروقتِ ضرورت خود بخود عمل کرنے کے ایسے طریقے سکھا دیئے جائیں جو جبلّتوں کی صورت میں جسم حیوانی میں راسخ ہو جائیں تاکہ حیوان خود بخود اپنی زندگی اور نسل کو قائم رکھ کر ترقی کے مدارج طے کرے اور پھر اس قدر مکمل ہو جائے کہ خودی کا مقام اور مسکن بن سکے۔ چونکہ اس دور کی تخلیقی کارروائی کا مقصد حیوان کے اندرونی جبلّتی تقاضوں کو راسخ کرنا ہے لہٰذا خدا نے قرآن حکیم میں اس کو "ہدایت" یعنی بدنی اور حیاتیاتی ضرورتوں کی تشفی کے طریقوں کی راہنمائی کا نام دیا ہے۔ پھر جب خودی جسم حیوانی میں پیدا ہوتی ہے تو اس مخلوق کی تکمیل کا آخری دور شروع ہوتا ہے اور اس دور میں خودی ایک رحمۃ للعلمین یا مصطفےٰ کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کے نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی یعنی خدا نے کائنات کی تخلیق اور اس کا تسویہ کیا اور اس کی تخلیق کو تقدیر اور ہدایت کے ابتدائی مرحلوں سے گزارا ہے (اور اب اس کی تخلیق کا تیسرا مرحلہ ایک رحمۃ للعلمین کے ظہور سے شروع ہے)۔ غرضیکہ ہم جہاں بھی کوئی جہان رنگ و بو دیکھیں وہ یا تو ابھی اپنے ارتقار کی ان ابتدائی منزلوں کو طے کر رہا ہو گا جن کو تقدیر اور ہدایت کی منزلیں کہنا چاہیے اور جن کے بعد ہی

d.com

اس میں کسی رحمۃ للعٰلمین یا مصطفےٰ کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اور یا پھر اس میں کوئی رحمۃ للعٰلمین ظہور پا چکا ہوگا۔ اور وہ اس کے نور سے منوّر ہو رہا ہوگا۔ اقبال نے اس مضمون کو چار شعروں میں اس طرح بیان کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود　　رحمۃ للعٰلمینے ہم بود
خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست　　رحمۃ للعٰلمینے انتہاست
ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو　　آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفٰےؐ اورا بہاست　　یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰؐ است

نبوّت کیوں ختم ہو جاتی ہے

بعض لوگوں نے ابھی تک نہیں سمجھا کہ نبوّت جس کا مقصد نوعِ انسانی کی ہدایت ہے آخر کار کسی ایک نبی پر کیوں ختم ہو جاتی ہے۔ اور کیوں جب تک نوعِ انسانی باقی رہے اور راہ نمائی کی ضرورت محسوس کرتی ہے یعنی تاقیامت جاری نہیں رہتی۔ لیکن اگر ہم نبوّت کی حقیقت کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیں تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نبوّت کی حقیقت

نبوّت اور وحی کی حقیقت کے متعلّق علامہ اقبال لکھتے ہیں:

"نبی روحانی تجربہ رکھنے والا ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کی ذات میں خدا سے ملاپ کا احساس اپنی حد سے گزر کر بہہ نکلنے پر مائل ہوتا ہے اور جماعتی زندگی کے محرکات کی نئی تشکیل اور راہنمائی کے مواقع تلاش کرتا ہے۔ اس کی شخصیت میں زندگی کا محدود مرکز اپنی غیر محدود گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے تاکہ پھر نئی قوّت کے ساتھ اُبھرے اور زندگی کی فرسودہ راہوں کی بیخ کنی اور اس کی نئی راہوں کی نشاندہی کرے۔ اپنے وجود کی اصل کے ساتھ اس قسم کا رابطہ انسان کے ساتھ خاص نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وحی کا لفظ جس طرح سے قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک وحی زندگی کی ایک ہمہ گیر خاصیت ہے اگرچہ ارتقائے حیات کے مختلف مرحلوں میں اس کی ماہیت یا کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ ایک پودا جو اپنی

© rasailojaraid.com

نوع کی موروثی شکل یا بناوٹ سے آزاد ہو کر فضا میں اگتا ہے، ایک جسمِ حیوانی جو ایک نئے ماحول کی رعایت سے ایک ایسا نیا عضو پیدا کر لیتا ہے جو اس کے باپ دادا کو حاصل نہیں تھا یا ایک انسان جو خودی کی اندرونی گہرائیوں سے علم کی روشنی حاصل کرتا ہے یہ سب وحی کی مختلف صورتیں ہیں جن کی ماہیت وحی پانے والے فرد کی ضرورت کے مطابق یا اس نوع کی ضرورت کے مطابق جس کا وہ فرد ہوتا ہے بدل جاتی ہے۔"

مظہرِ تقلیب

ایک پودے یا جسمِ حیوانی کا اس طرح سے نشوونما پانا کہ اس کی موروثی شکل و صورت بدل جائے اور وہ ایک نئی نوع کا جدِ اوّل بن جائے ایک حیاتیاتی مظہرِ قدرت ہے جسے حیاتیات کی زبان میں تقلیب یا نوع کا فوری تغیّر کہا جاتا ہے۔ یہ زندگی کی خاصیات کا ایک تقاضا تھا کہ حیاتیاتی مرحلۂ ارتقا میں تقلیبات بار بار اور نہایت کثرت کے ساتھ رونما ہوتی رہیں حیوانات اور نباتات کی رنگارنگی اور بوقلمونی جو آج اس کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آرہی ہے ان ہی تقلیبات کا نتیجہ ہے۔ اقبال کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اقبال کے نزدیک نبوّت کا نظریاتی مظہر اسی حیاتیاتی مظہر کی ہی ایک مختلف اور انسانی مرحلۂ ارتقا سے مناسبت رکھنے والی شکل ہے، جسے ماہرینِ حیاتیات نے تقلیبات یا انواع کے فوری تغیّرات کا نام دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم قدرت کے مظہرِ تقلیبات کے اسباب اور اس کی کیفیات کا تجزیہ کر کے اس کے سارے علمی مضمرات اور متضمنات پر حاوی ہو جائیں تو ہم سمجھ سکیں گے کہ اقبال نے تخلیق اور ارتقائے عالم میں رحمۃ للعلمین کے مقام کے متعلق اوپر کے چار شعروں میں جس خیال کا اظہار کیا ہے اس کی علمی اور عقلی بنیادیں کیا ہیں۔

تقلیبات کا سبب خودی کا زبردست جذبۂ تکمیل ہے

تقلیبات حیاتیاتی ہوں یا نظریاتی ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ خودی یا زندگی کی قوّتِ تخلیق (یعنی خدا کے ارادۂ تخلیق یا قولِ کُن کی قوّت) کائنات کو حالتِ کمال پر پہنچانا چاہتی ہے جس کی وجہ سے یہ کائنات ہر وقت ایک پیکرِ خوب تر کی جستجو میں رہتی ہے۔ یہ قوّت نہایت ہی زبردست اور

بے پناہ ہے اور اپنے ہر کام پر ہر حالت میں غالب آنے والی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

(یوسف: ۲۱)

اور خدا اپنے ہر کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

پھر قرآن حکیم میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ٥ (فاطر: ۴۴)

اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کرسکے۔ وہ علم والا اور قدرت والا ہے

لہٰذا جب بھی اس قوت کو اپنی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھنے میں کسی مزاحمت یا رکاوٹ کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنی پوری طاقت جمع کر کے اس کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے توڑ کر اپنی منزلِ مقصود کی طرف آگے نکل جاتی ہے۔ زندگی کے اسی وصف کی وجہ سے اقبال نے اسے جوئے کہستان سے تشبیہہ دی ہے کہ وہ بھی جب رکتی ہے تو پہاڑوں کی چٹانوں کو چیر کر آگے نکل جاتی ہے

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دِل چیر دیتی ہے یہ

حیوانِ کامل ــــ حیاتیاتی ارتقاء کا مقصود

حیاتیاتی مرحلۂ ارتقاء ایک نہایت ہی چھوٹے سے حیوان امیبا سے شروع ہوا تھا جو مادی طور پر مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس قابل ہو گیا تھا کہ زندہ ہو جائے اور زندگی کا جوہر پا لینے کی وجہ سے کششِ ثقل اور ایسے ہی دوسرے مادی قوانین کی مزاحمت کا مقابلہ کرسکے جو تمام جامد اور بے حرکت مادی اشیاء کو اپنے ضبط کے شکنجہ میں جکڑے ہوتے ہیں۔ یہ پہلا حیوان اپنی ساخت میں اتنا سادہ تھا کہ صرف ایک ہی خلیہ پر مشتمل تھا، لیکن زندگی کی رو یا خدا کے قولِ کُن کی قوت جو اس حیوان کے اندر کام کر رہی تھی اس کو برابر ترقی دیتی رہی، یہاں تک کہ اس سے نئی نئی انواعِ حیوانات پیدا ہوتی گئیں، جن کی جسمانی ساخت بتدریج زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتی گئی اور جن کے مراکزِ دماغی اور نظام ہائے عصبی متواتر زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ نیت

© rasailojaraid.c

نئی وجود میں آنے والی انواعِ حیوانات کسی منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں۔ظاہر ہے کہ حیاتیاتی مرحلۂ ارتقاء میں خودی کی منزلِ مقصود یہ تھی کہ ایک ایسا کامل جسم حیوانی پیدا کیا جائے جو اپنی مکمل جسمانی اور دماغی ساخت کی وجہ سے اس قابل ہو کہ اس میں جوہرِ خودی نمودار ہو جائے تاکہ وہ آئندہ کے ارتقاء کا جو نظریاتی ارتقاء ہونے والا تھا، ذریعہ بن سکے۔اور پھر اس کی اولاد کو ترقی دے کر روئے زمین پر پھیلا دیا جائے اور تمام حیوانات پر غالب کر دیا جائے تاکہ وہ دوسرے حیوانات کی مزاحمت کے بغیر آزادی سے عملِ ارتقاء کو جاری رکھ سکے یہی حیوانِ کامل انسان ہے۔

حیاتیاتی ارتقاء کی رکاوٹیں

زندگی کو حیاتیاتی مرحلۂ ارتقاء میں اپنی منزلِ مقصود کی طرف آگے بڑھنے میں جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں ایک رکاوٹ حیاتیاتی وراثت کے قانون سے پیدا ہوئی۔اس قانون کی وجہ سے ایک ہی نوعِ حیوانات کے افراد اپنے آباء و اجداد کی جسمانی ساخت کا اعادہ کرتے ہیں خواہ وہ اچھی ہو یا بُری، پست ہو یا بلند، اور اس سے سرِمو انحراف نہیں کرتے۔ظاہر ہے کہ اس قانون سے قدرت کی غرض یہ تھی کہ جب حیوانِ کامل یا انسان وجود میں آئے اور اس کی نسل ترقی پانے لگے تو اس کی اولاد اپنی اس ابتدائی جسمانی ساخت کو جو سب سے پہلے انسان کو عطا ہوئی ہو اور جو کروڑوں برس کے حیاتیاتی ارتقاء کا نہایت ہی قیمتی ثمر قرار پا چکی ہو، نسلاً بعد نسلٍ ایک اندرونی حیاتیاتی دباؤ کی وجہ سے اپنی اصلی صورت میں ہمیشہ قائم رکھ سکے۔تاکہ انسان اپنی اس پائیدار حیاتیاتی تکمیل اور برتری کی وجہ سے نہ صرف قائم رہے اور دنیا میں پھیل جائے بلکہ اپنے قائم رہنے اور پھیل جانے کی وجہ سے اپنے نظریاتی ارتقاء کو کسی ناقابلِ عبور مزاحمت کے بغیر جاری رکھ سکے۔لیکن ظاہر ہے کہ جب تک حیاتیاتی سطحِ ارتقاء پر ہر نچلے درجہ کی نوعِ حیوانات میں سے کم از کم ایک فرد حیاتیاتی وراثت کے قانون کو توڑ کر کسی بہتر اور بلند تر قسم کی جسمانی ساخت کا مالک نہ بنے جو اس کی اولاد میں بھی منتقل ہو اس وقت تک ایک نوع سے دوسری بلند تر نوع پیدا نہ ہو سکتی تھی اور حیوانِ کامل یا انسان کے ظہور تک نوبت ہی نہ پہنچ سکتی تھی۔ (جاری ہے)

d.com